خطبہ جمعہ

رحمان کے بندے وہی ہیں جو زمین میں سکینت، وقار اور تواضع کی چال چلتے ہیں

قرآن مجید نے جس زمانے میں حَکَم کے طور پر کام کرنا تھا اس زمانے کی ساری ضرورتیں اس میں بیان کر دی گئی ہیں

حضرت مسیح موعودؑ کو اللہ تعالیٰ نے اس زمانے میں تمام دنیا میں امر کی فوقیت عطا کی ہے

خطبہ جمعہ ارشاد فرمودہ سیدنا امیر المومنین حضرت مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز- فرمودہ ۲۷ر جولائی ۲۰۰۱ء بمطابق ۲۷ر وفا ۱۳۸۰ ہجری شمسی بمقام مسجد فضل لندن (برطانیہ)

(خطبہ جمعہ کا یہ متن ادارہ الفضل اپنی ذمہ داری پر شائع کر رہا ہے)

أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له وأشهد أن محمداً عبده و رسوله-

أما بعد فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم- بسم الله الرحمٰن الرحيم -

الحمدلله رب العٰلمين - الرحمٰن الرحيم - مٰلك يوم الدين - إياك نعبد و إياك نستعين -

اهدنا الصراط المستقيم - صراط الذين أنعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين-

اللہ تعالیٰ کی صفت رحمانیت سے متعلق مضمون جاری تھا اور شاید اگلے ہفتہ بھی اسی مضمون پر دوبارہ گفتگو ہوگی۔ اس وقت جو میرے سامنے آیت ہے وہ سورۃ الفرقان کی ۶۱ویں آیت ہے ﴿وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَ زَادَهُمْ نُفُوْرًا﴾ جب ان سے کہا جائے کہ رحمان خدا کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤ تو وہ کہتے ہیں رحمان کیا چیز ہے ﴿اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَ زَادَهُمْ نُفُوْرًا﴾ کیا ہم اسے سجدہ کریں جس کا تو ہمیں حکم دیتا ہے اور ان کو سوائے نفرت کے کسی چیز میں نہیں بڑھایا۔ یعنی ان کو نفرت اور بھی پہلے سے زیادہ ہو گئی۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو، اللہ کو کیوں نہیں فرمایا۔ رحمان اس لئے فرمایا کہ رحمان حد سے زیادہ مغفرت کرنے والا ہے، بے انتہا رحم کرنے والا ہے۔ اس لئے اگر تم اپنی غلطیوں اور ظلموں کے باوجود رحمان کو سجدہ کرو گے تو تمہاری کوتاہیوں سے پردہ پوشی فرمائے گا۔ لیکن انہوں نے جو یہ حقارت سے کہا ہے ﴿وَمَا الرَّحْمٰنُ﴾ اس کے متعلق مفسرین نے مختلف وجوہات لکھی ہیں لیکن ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے صرف اتنا ہے کہ یہ لفظ حقارت کے لئے ہے کہ رحمان ہے کیا چیز، کیا ہوتا ہے رحمان۔ اور اس چیز نے ان کو نفرت کے سوا کسی چیز نے نہیں بڑھایا۔

حضرت علامہ فخر الدین رازی صاحب اس تفسیر میں بہت کچھ لکھتے ہیں مگر ایک اقتباس مَیں نے آپ کا چنا ہے۔ حضرت علامہ فخر الدین رازی فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمتیں دو قسم کی ہیں۔ ایک سابقہ اور دوسری وہ جو آئندہ ملے گی۔ سابقہ کے ساتھ اس نے مخلوق کو پیدا کیا، یعنی کوئی بھی مانگنے والا نہیں تھا تو اس وقت اس نے عطا کیا اور ان کی آئندہ کی ساری ضرورتیں ان کو وقتاً فوقتاً تدریجاً عطا فرماتا چلا گیا۔ اور آئندہ کے لئے اس نے مخلوق کو پیدا کرنے کے لئے رزق اور ذہانت عطا کی۔ پس اللہ تعالیٰ گزشتہ رحمت کو مد نظر رکھتے ہوئے رحمٰن ہے اور آئندہ ملنے والی رحمت کو مد نظر رکھتے ہوئے رحیم ہے جو خدا تعالیٰ کی رحمانیت کو ہمیشہ کے لئے بار بار جاری کرنے والی ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے یا رَحْمٰنُ الدُّنْیَا وَرَحِیْمُ الْاٰخِرَۃِ۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اے دنیا کے رحمان اور آخرت کے رحیم۔ اب دنیا کے رحمٰن سے مراد یہ ہے کہ ساری کائنات اور مخلوقات جو کچھ بھی ہیں جاندار ہوں، حیوان ہوں، انسان ہوں وہ سب رحمان کی رحمانیت سے استفادہ کر رہے ہیں اور رَحِیْمُ الْاٰخِرَۃ اس لئے کہ رحیم میں محنت اور محنت کا پھل پانے کا ذکر ہے۔ پس جو بھی اللہ تعالیٰ کے حضور بار بار جھکے گا اور اس کے حضور محنت کرے گا وہ رحیمیت کا اجر پائے گا۔ تو حضرت امام رازی کے نزدیک یہ جائز نہ ہوگا کہ کسی کو رحمان کہا جائے یعنی رحمان سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی اور کے لئے جائز نہیں ہے۔

پھر فرماتے ہیں "جب صالح لوگ اپنی بشری طاقت کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی بعض صفات کو اپناتے ہیں اور بھوکے کو کھانا کھلاتے ہیں اور ننگے کو کپڑے پہناتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی آئندہ رحمت سے حصہ پاتے ہیں۔ آئندہ رحمت یعنی اس کی جزا جو ملے گی آئندہ اُن کو جس سے رزق اور اعانت نصیب ہوتی ہے۔ اور اس کا مطلب ہے کہ اس دنیا میں بھی ان کو خدا کے بھوکے بندوں کو کھانا کھلانے اور ننگے بندوں کو کپڑا پہنانے کے نتیجہ میں دنیا میں بھی بکثرت رزق عطا کیا جاتا ہے اور یہ ہمارا تجربہ ہے اس میں قطعاً ایک ذرہ بھی کوئی ماضی کی بات پر ایمان لانے والی بات نہیں۔ ایک اللہ تعالیٰ کا جاری سلسلہ ہے جو قیامت تک جاری رہے گا۔ جو خدا کی خاطر قربانی کرتے ہیں اور غریبوں کے اوپر خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے اموال میں بہت برکت ڈالتا ہے اور ان کے اعمال کو بڑھاتا چلا جاتا ہے۔ چنانچہ امام رازی کے نزدیک اس تشریح کے ساتھ ایسے صالح لوگوں کو جو خدا کی رحیمیت کا مظہر بنتے ہیں رحیم کہنا جائز ہوگا۔

اب سورۃ الفرقان کی ۶۴ویں آیت ہے ﴿وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا﴾ اور رحمان کے بندے وہ ہیں جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے مخاطب ہوتے ہیں تو جواباً کہتے ہیں سلام۔

اب رحمان کا فروتنی کے ساتھ کیا تعلق ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کی تشریح میں فرماتے ہیں "یعنی کسی دوسرے کو ظلم کی راہ سے بدنی آزار نہ پہنچانا اور بے شر انسان ہونا اور صلحکاری کے ساتھ زندگی بسر کرنا"۔ یہ رحمانیت کی صفت کے تابع ہے۔ کسی کو کوئی نقصان نہ پہنچانا، ہر ایک کو علم ہو کہ مجھے اس شخص سے نقصان نہیں پہنچ سکتا کیونکہ یہ خدا تعالیٰ کی صفت رحمانیت کے تابع ہر شجر و حجر پر رحم کرنے والا ہے۔ پس رحمانیت کی اس صفت کے نتیجہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ان کے ساتھ صلح کاری منسوب ہوتی ہے اور اسلام کا بھی یہی معنی ہے کہ وہ دوسرے کو سلامتی کا پیغام دیتے ہیں کیونکہ رحمان کی طرف سے غضب کا پیغام نہیں ہو سکتا سوائے چند شرطوں کے بعد۔ آخری ترجمہ یہ ہے "خدا کے نیک بندے صلحکاری کے ساتھ زمین پر چلتے ہیں"۔ (تقریر جلسه مذاہب صفحه ۴۰)

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:-

"رحمٰن کے فرمانبردار بندے تو وہی ہیں جو زمین میں سکینت، وقار اور تواضع کی چال چلتے ہیں۔ نہ تکبّر اور سستی کی۔ اور جب جاہل ان سے الجھیں تو ان سے ایسا سلوک کرتے ہیں جس میں نہ بدی و ایذاء ہو اور نہ جہل و نادانی"۔ (تصديق براہين احمديه۔ صفحه ۲۶۲)

اب رحمانیت کے لفظ کے اندر اس تفسیر کی رو سے ایک وقار کا معنی پایا جاتا ہے یعنی وہ رحمان کے بندے ہو کر جانتے ہیں کہ وہ رحمان کے بندے ہیں تو وہ اکڑ کر اور تکبّر سے نہیں چلتے کیونکہ وہ بہت بڑی ذات کے بندے ہیں بلکہ رحمانیت تو غریبوں پر عام ہے انسانوں اور جانوروں پر عام ہے اس لئے رحمانیت کے اس مضمون کو مد نظر رکھتے ہوئے وہ بڑی عاجزی کے ساتھ زمین پر قدم اٹھاتے ہیں۔

ایک اور سورۃ الشعراء کی آیت ہے نمبر ۶۔ اس میں ہے ﴿وَمَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ ذِکْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا کَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِیْنَ﴾ اور ان کے پاس رحمٰن کی طرف سے کوئی تازہ نصیحت نہیں آتی مگر وہ اس سے اعراض کرنے والے ہوتے ہیں۔

اس تعلق میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

"رحمانِ مطلق جیسا جسم کی غذا کو اس کی حاجت کے وقت عطا فرماتا ہے ایسا ہی وہ اپنی رحمتِ کاملہ کے تقاضا سے روحانی غذا کو بھی ضرورتِ حقّہ کے وقت مہیا کر دیتا ہے"۔ ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ﴾ کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں۔ رحمان وہ ہے جس نے بندوں کی تمام ضرورتیں ان کی پیدائش

سے پہلے ہی مہیا کر دی ہیں مگر وہ ضرورتیں اس وقت ظاہر کرتا ہے جب وہ اس قابل ہو جائیں کہ ان ضرورتوں سے فائدہ اٹھائیں۔ اب اس کی مثال میں کئی دفعہ دیتا ہوں تیل کی دریافت، کوئلہ کی دریافت وغیرہ وغیرہ۔ تو یہ ساری چیزیں اس وقت دریافت ہوئیں، حالانکہ وہ ہمیشہ سے موجود تھیں، جب انسان کو استطاعت ہوئی کہ ان سے فائدہ اٹھا سکے۔ تو یہ بھی رحمانیت کا ایک خاص فعل ہے کہ وہ اس وقت چیزیں دکھاتا ہے جب دیکھنے والا ان سے فائدہ اٹھا سکتا ہے ورنہ غفلت کی آنکھ کے ساتھ وہ گزرتا چلا جاتا ہے، اس کو پتہ ہی نہیں لگ رہا کہ میرے لئے اللہ تعالیٰ نے کیا کیا نعمتیں کر رکھی ہیں۔

اور ایک بات مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ:

"یہ بات درست ہے کہ خدا کا کلام انہیں برگزیدہ لوگوں پر نازل ہوتا ہے جن سے خدا راضی ہے اور اُنہیں سے وہ مکالمات اور مخاطبات کرتا ہے جن سے وہ خوش ہے۔ مگر یہ بات ہرگز درست نہیں کہ جس سے خدا راضی اور خوش ہو اس پر خواہ نخواہ بغیر کسی ضرورتِ حقّہ کے کتابِ آسمانی نازل ہو جایا کرے"۔ (براہین احمدیہ) یعنی کتاب کا نازل ہونا اگرچہ رحمانیت سے تعلق رکھتا ہے اس کے باوجود جس پر راضی ہو اس پر لازماً کتاب نہیں اتارا کرتا۔ کتاب اتارنے کے لئے زمانہ کی ضرورتیں تقاضا کیا کرتی ہیں اور جس قسم کی وہ ضرورتیں ہوں اسی قسم کی کتاب اتاری جاتی ہے۔ اب اس سے پہلے بائبل اتاری گئی، اس سے پہلے اور صحف ابراہیم اتارے گئے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان میں اور قرآن میں فرق کوئی نہیں۔ فرق ہے اور وہ ضرورتِ حقّہ کا فرق ہے۔ قرآن جس زمانہ میں نازل ہوا اور جس زمانہ تک یعنی قیامت تک اس نے حَکَمْ کے طور پر دنیا میں کام کرنا تھا اس زمانہ کی ساری ضرورتیں قرآن کریم میں مندرج ہو چکی ہیں لیکن دنیا کی آنکھ اس وقت کھلتی ہے جب وہ ضرورتیں سامنے دکھائی دینے لگتی ہیں۔

اب ایک اور ہے آیت سورۃ یٰسین کی ﴿اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّکْرَ وَخَشِیَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَیْبِ فَبَشِّرْہُ بِمَغْفِرَۃٍ وَّ اَجْرٍ کَرِیْمٍ﴾ (یٰسین: ۱۲) تو صرف اسے ڈرا سکتا ہے جو نصیحت کی پیروی کرتا ہے اور رحمٰن سے غیب میں ڈرتا ہے۔ پس اسے ایک بڑی مغفرت کی اور معزز اجر کی خوشخبری دے دے۔

یہاں غیب میں خدا رحمٰن سے ڈرنے کا کیا مطلب ہے۔ اگر آپ غور کریں تو اللہ تعالیٰ غیب میں رہتا ہے اور آپ اس کو نہ دیکھ سکتے ہیں نہ سونگھ سکتے ہیں، نہ ہاتھ لگا سکتے ہیں تو وہ غیب میں رہتا ہے۔ اگر اس کی غیبوبیت کے باوجود آپ اس کو اس طرح دیکھیں جیسے کسی چیز کو اپنے سامنے کھڑا دیکھ رہے ہوں تو یہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے نزدیک سب سے اعلیٰ مقام ہے جس پر خدا کے مرسل بندے فائز ہوتے ہیں۔ اور کم سے کم یہ ہے کہ انسان اس طرح خدا کو اس کے غیب ہونے کے باوجود دیکھے کہ اگر وہ اس کو سامنے کھڑا نہ بھی دیکھتا ہو تو یہ احساس رکھتا ہو کہ وہ مجھے دیکھ رہا ہے اور غیب سے ہر حال میں میرے ہر فعل پر نظر رکھ رہا ہے۔ پس اس وجہ سے غیبوبیت کا یہاں ذکر ہے۔

علامہ فخر الدین رازی اس آیت کے متعلق کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے دو ایسے اسم ہیں جو صرف اس کے ساتھ مخصوص ہیں وہ اللہ اور رحمٰن ہیں۔ جیسے خدا تعالیٰ فرماتا ہے ﴿قُلِ ادْعُوا اللّٰہَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ﴾ یہ قرآن کریم کی آیت ہے، تم خواہ خدا کو اللہ کے نام سے پکارو یا رحمان کے نام سے ﴿لَہُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی﴾ سب اچھے نام اسی کے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض ائمہ نے کہا ہے کہ اگر تجھے اس امر کی معرفت ہو تو یہ اللہ ایسا نام ہے جو ہیبت کی خبر دیتا ہے"۔

اب یہ ایک نیا نکتہ امام رازی نے اٹھایا ہے کہ اللہ کے لفظ میں ہیبت پائی جاتی ہے۔ اللہ کی سارے صفات پر غور کرو اور جانو کہ وہ ہر چیز سے بڑا ہے اور ہر اختیار اس کو ہے، ہر چیز اسی کی طرف لوٹے گی تو اس سے دلوں پر ایک قسم کا خوف طاری ہو جاتا ہے۔ "مگر رحمانیت میں عطوفت اور شفقت کی خبر ملتی ہے"۔ یعنی ایسا انسان جو رحمانیت پر غور کرتا ہے اور اللہ کو رحمٰن نام سے پکارتا ہے تو یہ امید رکھتا ہے کہ وہ اس سے رحمانیت کا سلوک فرمائے گا۔

اب سورۃ یٰسین کی ۱۶ویں اور ۱۷ویں آیات ہیں۔ ﴿قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا﴾ انہوں نے انبیاء سے کہا کہ تم تو ہماری طرح کے ایک بشر ہو اس کے سوا کچھ نہیں ﴿وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَیْءٍ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَکْذِبُوْنَ﴾ اور تم پر رحمان نے کوئی چیز بھی نازل نہیں فرمائی۔ یہ تم محض جھوٹ بول رہے ہو ﴿قَالُوْا رَبُّنَا یَعْلَمُ اِنَّآ اِلَیْکُمْ لَمُرْسَلُوْنَ﴾ انہوں نے سادہ سا یہ جواب دیا کہ ہمارا رب جانتا ہے کہ ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں۔

اس آیت سے متعلق حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ فرماتے ہیں:-

"﴿مَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَیْءٍ﴾ برہموؤں کا بھی یہی عقیدہ ہے"۔ یعنی برہمو سماجوں کا۔ "یہ لوگ تمام راستبازوں کو جھوٹا سمجھتے ہیں۔ ان کی گندی تعلیم سب سے زیادہ خطرناک ہے۔ جن لوگوں نے سچائیوں کے پہچاننے کے لئے اپنے آرام، اپنی اولاد، اپنا جاہ و جلال، اپنے وطن کو چھوڑ دیا، اپنی جانیں قربان کر دیں، ان کو جھوٹ اور دروغ مصلحت آمیز سمجھنا حد درجہ کی بے باکی ہے۔ ....
نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی صحبت میں چند گھنٹے ٹھہرنے والے کی نسبت بھی یہ ثابت نہیں ہو سکا کہ اُس نے روایت میں جھوٹ بولا"۔

اب یہ جو روایتیں آتی ہیں یہ ضمناً میں آپ کو بتا دیتا ہوں اس میں جب جھوٹ کا اتہام لگتا ہے تو بیچ کے راویوں پر لگتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم سے روایت کرنے والے صحابی پر نہیں لگا کرتا۔ تو یہ غلط فہمی آپ کو نہ ہو کہ روایت کرنے والے جھوٹ بولتے تھے جنہوں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا وہ سو فیصد سچ کہا کرتے تھے۔ غلطیاں اس لئے لگیں کہ بعض لوگوں نے ان کی باتوں کو سمجھنے میں غلطی کی اور بعض بعد میں آنے والے لوگوں نے بیچ میں جھوٹ ملا دیا، اپنی بددیانتی کی وجہ سے۔ پس حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ بات سو فیصد درست ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی صحبت سے استفادہ کرنے والے حد درجہ کے راستباز تھے۔ ان میں کوئی کبھی جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ جب وہ بندے جو رسول اللہ ﷺ سے فیضیافتہ ہیں وہ محمد رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ نہیں بول سکتے تو آنحضرت ﷺ اللہ پر جھوٹ کیسے بول سکتے ہیں تو یہ استدلال حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے اسی آیت سے کیا ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر، قادیان۔ ۲۷/اکتوبر ۱۹۱۰ء)

اب سورۃ یٰسین کی ۲۳ویں اور ۲۴ویں آیت ﴿وَمَا لِیَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِیْ فَطَرَنِیْ وَ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ﴾ آخر مجھے کیا ہو گیا ہے کہ میں اس کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور تم سب بھی اسی کی طرف لوٹنے والے ہو یعنی وہ جو یقین رکھتا ہے وہ تو بہر حال لوٹنے والا ہو گا تبھی یقین رکھتا ہے۔ لیکن فرمایا تم جو منکرین ہو تم سب کا بھی یہی انجام ہو گا۔ تم نے آخر خدا کی طرف لوٹ کے جانا ہے۔

﴿ءَ اَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِہٖ اٰلِھَۃً اِنْ یُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّیْ شَفَاعَتُھُمْ شَیْئًا وَّلَا یُنْقِذُوْنِ﴾۔ کیا میں اس کو چھوڑ کر ایسے معبود بنا لوں کہ اگر رحمٰن مجھے کوئی ضرر پہنچانا چاہے تو ان کی کوئی شفاعت میرے کچھ کام نہ آئے گی۔ ﴿وَلَا یُنْقِذُوْنِ﴾ مجھے اس سے چھڑا نہیں سکیں گے۔ اب اس میں خاص بات یہ ہے کہ رحمان تو غضبناک نہیں ہے، رحمان تو بے انتہا رحم کرنے والا ہے تو اس کے غضب سے اس لئے ڈرایا جا رہا ہے کہ اگر رحمٰن، رحمان ہوتے ہوئے بھی غضبناک ہو تو اس کا مطلب ہے بندہ بہت ہی زیادہ مجرم ہے ورنہ رحمانیت سے تو صرف رحم کا استفادہ کیا جا سکتا ہے غضب کا نہیں۔

پس جب اس کے رحمان ہوتے ہوئے اس سے منہ موڑیں گے اور اس کی رحمانیت سے فائدہ نہیں اٹھائیں گے تو پھر اس کے پاس غضب بھی ہے۔ جب رحمان کسی پر غضبناک ہو تو وہ سب سے زیادہ غضبناک ہوتا ہے۔ اب مائیں اپنے بچوں پر بے انتہا رحم کرنے والی ہیں لیکن جب بچے ظلم و ستم میں حد سے زیادہ بڑھ جائیں تو پھر ماؤں کے منہ سے وہ بددعا نکلتی ہے جو پھر قبول ہو جاتی ہے اور بچوں کے لئے غضب کا موجب بن جاتی ہے۔ پس رحمانیت کی صفت کو سمجھنے کے لئے ماں اور بچے کی نسبت کو سمجھیں۔ اگر ایسا ہوا تو پھر یقیناً ایسی صورت میں معاً میں کھلی کھلی گمراہی میں مبتلا ہو جاؤں گا۔ اگر رحمان خدا سے مجھے غضب ملے اور رحم نہ ملے تو واضح بات ہے کہ میں گمراہ ہوں اور میری گمراہی بہت کھلی کھلی ہے اگر میں ایسا کروں۔

سورۃ یٰسین ہی کی ۵۳ویں اور ۵۴ویں آیات ہیں ﴿قَالُوْا یٰوَیْلَنَا مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا﴾ وہ کہیں گے اے وائے ہماری ہلاکت! کس نے ہمیں ہماری آرام گاہ سے اٹھایا ہے۔ یہی تو ہے جس کا رحمٰن

نے وعدہ کیا تھا اور مُرسَلِیْن سچ ہی تو کہتے تھے۔ یہ محض ایک ہی ہولناک آواز ہوگی۔ پس اچانک وہ سب کے سب ہمارے سامنے حاضر کردیئے جائیں گے۔

اب یہاں حضرت خلیفۃ المسیح الاول نے ایک بہت باریک نکتہ اٹھا کر اس کا جواب دیا ہے کہ کفار اپنے مرقد سے اٹھائے جائیں بظاہر تو یہ لگتا ہے کہ وہ قبر میں آرام سے ہیں حالانکہ کفار کے متعلق قبر کا عذاب ثابت ہے تو حضرت خلیفۃ المسیح الاول اس سوال کو اٹھا کر فرماتے ہیں۔ مَرْقَدِنَا کا مطلب ہے ہماری آرام کی جگہ۔ اعتراض کیا جاتا ہے کہ کیا کفار کے لئے قبر آرامگاہ ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آنے والے عذاب کے مقابل میں نسبتی امر ہے۔ یہ عذاب قبر موجب آرام ہی تھا۔ یعنی عذاب قبر کیسا بھی سخت ہو بعد میں آنے والا جو عذاب ہے اس کے مقابل پر نسبتاً یہ بہت ہلکا عذاب ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۔۳/تا ۱۰/نومبر ۱۹۱۱ء)

سورۃ الزخرف آیات نمبر ۱۸۔۱۹﴿وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ. اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ﴾. یہ ایسی آیت ہے دوسری جس کے متعلق بعض مستشرقین وغیرہ کہتے ہیں کہ اس میں عورتوں کی ہتک کی گئی ہے لیکن اس میں کوئی عورت کی ہتک نہیں کی گئی بلکہ ایک ایسا امر واقعہ بیان ہوا ہے جو آج بھی ویسا ہی سچا ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے زمانہ میں سچا تھا۔

جب ان کو خبر دی جائے گی ﴿ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ﴾ تو اس کا منہ کالا ہو جاتا ہے یعنی جب اس کو بیٹی کی خبر دی جائے تو منہ کالا ہو جاتا ہے یعنی غم سے چہرہ بھر جاتا ہے۔ اب آپ اس دنیا میں دیکھ لیں عورتیں ہی ہیں جن کو جب بچیوں پر بچیاں پیدا ہوتی ہوں تو سخت گھبراتی ہیں۔ عورت ہوتے ہوئے وہ لڑکے کی خواہش کیوں کرتی ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ یہ ایک فطری امر ہے۔ جیسا پہلے تھا ویسا اب بھی ہے۔ پس عورتوں کا لڑکے کی خواہش کرنا قرآن کریم کی اس آیت کی صداقت کی دلیل ہے۔

اور اگلی آیت ہے﴿اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ﴾اور جو زیوروں ،سونے چاندی میں اٹھائی گئی ہو یعنی عمر بھر اسی میں پالی گئی ہو اور جھگڑے کے وقت غیر مبین، غیر واضح بات کرنے والی ہو تو آپ دیکھ لیں کہ یہ عورتوں کی صفت ابھی تک ویسی ہی ہے۔ کتنی سمجھدار، کتنی عقل والی ہوں جب غصہ سے لڑنے لگ جائیں تو پھر بات کو واضح کر ہی نہیں سکتیں اور اسی بات میں اٹک جاتی ہیں اور تمام احسان خاوند کے بھول جاتی ہیں اور اسے بار بار وہ طعن دیتی ہیں کہ گویا تمہارے گھر میں مَیں نے کبھی چین نہیں پایا، ساری عمر برے حال میں رہی ہوں حالانکہ خاوند بے چارے نے محنت کی ہو، کتنی محنت سے روزی کمائی ہو، کس طرح اس پر پیار سے خرچ کیا ہو، وہ سارے پیار کے لقمے بھول جاتے ہیں اور ایک کڑوا لقمہ ان سب کو کڑوا کر دیتا ہے۔ تو یہ﴿فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ﴾ کی تشریح ہے اور یہ جیسے اُس وقت سچی تھی آج بھی ویسے ہی ہے۔

سورۃ الزخرف آیت نمبر ۳۴﴿وَلَوْ لَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّ مَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ﴾اگر یہ احتمال نہ ہوتا کہ سب لوگ ایک ہی طرح کی امت بن جائیں گے ہم ضرور ان کی خاطر جو رحمان کا انکار کرتے ہیں ان کے گھروں کی چھتوں کو چاندی کا بنا دیتے اور (اسی طرح) سیڑھیوں کو بھی جن پر وہ چڑھتے ہیں۔

اب اس کا کیا مطلب ہے؟ مطلب صاف واضح یہ ہے کہ اگر خدا کی رحمانیت کا انکار کرنے والوں کے متعلق یہ خدشہ نہ ہوتا کہ اگر ان پر دنیا کی دولتیں نچھاور کی جاتیں تو وہ اس کے نتیجہ میں حد سے زیادہ بے راہرو ہو جائیں گے۔ تو دنیا کی نعمتیں کثرت کے ساتھ ان پر نچھاور نہ کرنا بھی ایک اللہ تعالیٰ کا رحم ہے۔ اور اسی لئے رحمان کی طرف یہ بات منسوب فرمائی گئی ہے اور رحمان خدا کا انکار کرنے کے نتیجہ میں اگر ان کو دنیا کی دولتیں دی جاتیں تو دنیا کے بندے سارے کے سارے ان کی دیکھا دیکھی خدا کا انکار کر دیتے کہ انکار کا یہ فائدہ ہے کہ اتنی نعمتیں ملتی ہیں ہم کیوں نہ انکار کریں۔

اب مولوی اس ظلم کا مرتکب ہوتے ہیں۔ جتنا وہ انکار میں بڑھیں اتنا ہی اُن کی روزی زیادہ ہوتی ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے کیا تم نے یہ بات اپنے لئے رزق کا ذریعہ بنائی ہے کہ تم انکار کرتے ہو۔ یہ کتنی سچی بات ہے۔ آج بھی مولویوں میں سے سب سے زیادہ امیر مولوی وہی ہے جو حد سے زیادہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا انکار کرتا ہے۔ اس پر حکومت بھی رحم کرتی ہے اور بندے بھی اس کو پیسے زیادہ دیتے ہیں کیونکہ وہ تکذیب کو اپنا رزق بناتا ہے۔ تو قرآن کریم کی جو آیات ہیں جیسی اس وقت سچی تھیں ویسے ہی آج بھی اسی طرح سچی ہیں۔

اب مَیں صفت رحمانیت سے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعض الہامات آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ ۱۹۰۰ء کا الہام ہے "اَنْتَ مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ طَيِّبٌ مَقْبُوْلُ الرَّحْمٰنِ" تو علم کا مدینہ ہے۔ طیب ہے اور رحمان خدا کا مقبول ہے۔ یہاں مدینہ سے مراد شہر ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ترجمہ کرتے ہیں: "تو علم کا شہر ہے طیب اور خدا کا مقبول"۔ علم کا شہر سے کیا مراد ہے ۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق بھی مدینۃ العلم کی صفات بیان کی گئی ہیں۔ وہ شہر جہاں علم ہی علم بستا ہے کوئی جہالت کی بات نہیں، تمام جہالت کے رستے وہاں بند ہیں، صرف علم وہاں داخل ہو سکتا ہے۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعریف میں اللہ کی طرف سے یہ بہت بڑی گواہی ہے کہ اَنْتَ مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ تجھے سچا علم بھی عطا ہوا ہے اور جہالت کی کوئی بات تجھ تک راہ نہیں پا سکتی۔

ایک یکم جنوری ۱۹۰۳ء کا الہام ہے " يُبْدِيْ لَكَ الرَّحْمٰنُ شَيْئًا" اس کا ترجمہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ فرماتے ہیں: "خدا جو رحمٰن ہے تیری سچائی ظاہر کرنے کے لئے کچھ ظہور میں لائے گا"۔ حضرت اقدس نے فرمایا: "شے سے مراد کوئی عظیم الشان بات ہے"۔ عام چیز کے لئے لفظ شئے استعمال نہیں کیا جاتا۔ جب خدا کے تعلق میں بولا جائے تو مراد یہ ہے کہ کوئی بہت بڑی بات ہے۔ "اس کی عظمت کے لئے ہی اللہ تعالیٰ نے اس کو پوشیدہ رکھا ہے کیونکہ چھپانے میں ایک عظمت ہوتی ہے جیسے جنت کے انعامات کے لئے فرمایا ہے ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ﴾" ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ﴾ نہیں جانتا کوئی نفس جو اس کے لئے چھپا کے رکھا گیا ہے آنکھوں کی ٹھنڈک کے لئے۔ "کھانے پر جیسے دستر خوان ہوتا ہے اس کے چھپانے میں بھی ایک عظمت ہی مقصود ہوتی ہے۔ غرض یہ چھوٹی سی بات نہیں ہے"۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۱ ۱۰/جنوری ۱۹۰۳ء صفحہ ۲)

اب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فقرات بڑے معنی خیز ہوتے ہیں اور ان میں ڈوب کر، دیکھ کر معلوم کرنا پڑتا ہے۔ اچھا دستر خوان سجا ہوا ہو تو کھانے کھلے نہیں رکھے جاتے، ان کے اوپر کپڑا اڈھانکا جاتا ہے۔ اس وجہ سے کہ کوئی مکھی وکھی، کوئی بری چیز اس پر نہ بیٹھے اور اس غرض سے بھی کہ جب کپڑا اٹھتا ہے تو پھر مہمان ہشاش بشاش ہو جاتے ہیں دیکھ کے کہ کیسا عمدہ کھانا ہمارے لئے چھپا کر رکھا گیا تھا۔ تو اس طرح جنت کی نعماء سے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ وہ انسانوں سے چھپا کے رکھی گئی ہیں جب ان پر ظاہر کی جائیں گی تو حیران رہ جائیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری مہمانی کا کیسا عمدہ انتظام فرمایا ہے۔

۱۹۰۳ء کا ایک الہام ہے "يَعْصِمُكَ اللّٰهُ مِنْ عِنْدِهٖ وَهُوَ الْوَلِيُّ الرَّحْمٰنُ"۔ اللہ تعالیٰ تیری حفاظت اپنی طرف سے کرے گا اور وہی بے حد رحم کرنے والا دوست ہے۔ ۱۱/اگست ۱۹۰۳ء کو الہام ہوا "اِنِّي اَنَا الرَّحْمٰنُ حَلَّ غَضَبُهٗ عَلَى الْاَرْضِ"۔ یہ ترجمہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ہے۔ " مَیں رحمٰن کو دیکھتا ہوں (یعنی) اگرچہ خدا رحمان ہے"۔ مَیں رحمان کو دیکھتا ہوں یہاں بات ٹھہرتی ہے پھر اس سے بھی اگلے فقرہ سے تعلق ہے۔ "اگرچہ خدا رحمان ہے مگر گناہ حد سے بڑھ گیا ہے جس سے اس کا غضب نازل ہو گیا ہے"۔ کہ اگرچہ خدا بے انتہا رحم کرنے والا ہے مگر جب ظلم حد سے بڑھ جائے تو اس وقت پھر رحمان خدا کی طرف سے غضب نازل ہوتا ہے اور ایسا ہی اس زمانہ میں ہونے والا ہے یعنی اللہ تعالیٰ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان سے "اِنِّي اَنَا الرَّحْمٰنُ" فرماتا ہے۔ "حَلَّ غَضَبُهٗ عَلَى الْاَرْضِ" کہ دیکھو رحمان ہوتے ہوئے بندوں نے کیسی نافرمانی کی ہو گی اور کیسی ناشکری کی ہو گی کہ بجائے رحمت کے اس کا غضب نازل ہو رہا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۱۸/اگست ۱۹۰۳ء کو "مَا تَرٰى فِي خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ"۔ تفاوت سے مراد کسر، کمی بیشی بھی ہوتی ہے لیکن تفاوت سے مراد تضاد بھی ہوتا ہے۔ میرے نزدیک یہاں تضاد مراد ہے "مَا تَرٰى فِي خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ" تم رحمان خدا کی مخلوقات میں کوئی تضاد نہیں پاؤ گے۔ اور یہ بالکل سچ ہے کہ ساری کائنات کا آپ جائزہ لے لیں اتنی وسیع کائنات ہے لیکن اس میں کہیں بھی کوئی تضاد آپ کو نظر نہیں آئے گا۔ ہر چیز ایک دوسرے سے مطابقت رکھنے والی ہے۔

پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا الہام ہے ۲۵/اکتوبر ۱۹۰۳ء کا۔ "اِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا" مَیں نے خدائے رحمان کے لئے روزہ کی منّت مانی ہے۔ یہ حضرت مریمؑ کا فقرہ ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو الہام ہوا اور آپ کی زبان سے جاری ہوا۔ جب پوچھا جاتا تھا حضرت مریم سے کہ یہ بیٹا کیسے ہو گیا تیری تو شادی بھی نہیں ہوئی۔ تو حضرت مریمؑ یہ کہتی تھیں مَیں نے رحمان خدا کی خاطر نذر مانی ہے کہ مَیں خود کچھ جواب نہیں دوں گی۔ اللہ تعالیٰ خود میری بریت ظاہر فرمائے گا اور اسی بیٹے کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے وہ بریت ظاہر فرمائی۔ یہ ایک لمبی کہانی ہے جو پہلے بھی کئی دفعہ بیان کر چکا ہوں۔ تو یہاں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے منت ماننے کا کیا تعلق ہے۔ اس کے لئے یاد رکھنا چاہئے کہ قرآن کریم سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض نیک بندے جو خود کوئی خواہش نہیں رکھتے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سوا اور کوئی توقع نہیں رکھتے۔ اللہ تعالیٰ انہی سے ایک اور وجود پیدا کرتا ہے جس میں ان کی نفسانی خواہش کا دخل نہیں ہوتا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اسی آیت کے مصداق ہیں کہ مریمی حالت بھی آپؑ پر طاری ہوئی جو انتہائی غم اور فکر کی حالت تھی جیسا کہ ابھی اس الہام سے پتہ چلتا ہے اور پھر تیسری حالت بھی آپؑ پر طاری ہوئی یعنی آپ ابن مریم بھی ہوئے اور ایک پہلو سے مریم بھی ہوئے۔ یہ تذکرہ بھی ایک لمبا تذکرہ ہے اور کئی مولویوں کی شوخیوں کا مَیں پہلے بھی ذکر کر چکا ہوں جنہیں اب دہرانے کی

ضرورت نہیں۔

ایک الہام ہے جو بار بار ہوا۔ ''اِنِّی اُمِّرْتُ مِنَ الرَّحْمٰنِ فَأْتُوْنِی اَجْمَعِیْنَ''، ''اِنِّی اُمِّرْتُ مِنَ الرَّحْمٰنِ فَأْتُوْنِی اَجْمَعِیْنَ''، ''اِنِّی اُمِّرْتُ مِنَ الرَّحْمٰنِ فَأْتُوْنِی اَجْمَعِیْنَ''۔ اس کا حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ترجمہ کیا ہے مَیں خدائے رحمٰن کی طرف سے امیر بنایا گیا ہوں۔ یہاں اُمِرْتُ نہیں ہے بلکہ اُمِّرْتُ ہے۔ اُمِّرْتُ کا مطلب ہے امیر بنایا گیا ہوں۔ پس تم سب میرے پاس آ جاؤ۔ یہاں امیر بنانے کے دو معنے ہیں ایک یہ کہ اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو امر کی فوقیت عطا فرمائی ہے اور آپ کے امر کے تابع چلنے کا حکم سب کو ہوا کیونکہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے تابع تھے اور سر مُو بھی رسول اللہ ﷺ سے آپ نے فرق نہیں کیا۔

دوسرا امیر معنی دولت مند ہونے کے بھی ہیں۔ پس فرمایا امیر لوگوں کے پاس تم جاتے ہو تو مَیں تو اس پہلو سے سب سے زیادہ امیر ہوں کہ جب تم میرے پاس آؤ گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے رزق میں کشائش عطا فرمائے گا، تمہیں کئی قسم کی نعمتیں عطا فرمائے گا جن سے تم محروم ہو۔ پس مجھے خدا نے امیر بنایا ہے اور جیسا کہ تم امیروں کے پاس جاتے ہو اسی طرح میرے پاس آؤ۔

ایک الہام ہے اس میں تکرار ہے ''اِنِّی اَنَا الرَّحْمٰنُ ثُمَّ اِنِّی اَنَا الرَّحْمٰنُ''۔ اس کا ترجمہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یوں کیا ہے۔ مَیں رحمان خدا ہوں، پھر مَیں کہتا ہوں کہ مَیں رحمان خدا ہوں۔

ایک ۱۲؍دسمبر ۱۹۰۳ء کا الہام ہے ''اِنِّی حِمَی الرَّحْمٰنِ'' حِمٰی کہتے ہیں باڑ کو جس سے باہر کے لوگ کسی دوسرے کے کھیت میں داخل نہیں ہو سکتے۔ باڑ لگائی جاتی ہے حفاظت کی جاتی ہے۔ فرمایا مَیں خدا کی باڑ ہوں۔ یہ خطاب میری طرف ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود فرمایا ''یہ خطاب میری طرف ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اعداء طرح طرح کے منصوبے کرتے ہوویں گے''۔ یعنی صاف نظر آتا ہے کہ باڑ لگائی گئی ہے تو کسی شر سے محفوظ رکھنے کے لئے۔ اب زمیندار جب باڑ لگاتا ہے بے وجہ نہیں لگاتا۔ اس کو پتہ ہے کہ یہاں پھل دار درخت ہیں اور اچھی سے اچھی فصلیں موجود ہیں تو ان کو اجاڑنے والے بھی آ سکتے ہیں۔ تو وہ ان کے رستہ میں باڑ لگا کر ایک روک پیدا کر دیتا ہے۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ اس میں یہ پیشگوئی ہے کہ مجھ میں بھی خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ ایسی صفات ہیں کہ جو بہت قیمتی صفات ہیں اور لوگ بری نیت کے ساتھ بھی دوڑے چلے آئیں گے اس کی طرف جو حملہ کریں اور مجھے ناکارہ بنانے کی کوشش کریں۔ لیکن اس کے جواب میں آپ یہ اپنا شعر پیش کرتے ہیں۔

اے آنکہ سوئے من بدویدی بصد تبر ☆ از باغباں بترس کہ من شاخ مثمرم

اے وہ کہ جو تم میری طرف سینکڑوں تبر لے کر مجھے ہلاک کرنے کے لئے دوڑے چلے آتے ہو باغبان سے بھی تو ڈرو کہ مَیں ایک مثمر شاخ ہوں کہ مثمر شاخ کو بچانے کے لئے باغبان جیسے باڑیں لگاتا ہے اس طرح میری حفاظت کے بھی اللہ تعالیٰ ہی نے انتظام فرمائے ہیں اور تم کسی بد نیت کے ساتھ مجھے نہیں پہنچ سکتے۔

آج اس مختصر خطبہ کے بعد اب میں اس خطبہ کو ختم کرتا ہوں۔